ڈاکٹر فہیم شناس کاظمی (فہیم اقبال)
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو
ڈاکٹر کامران عباس کاظمی
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

عزیز حامد مدنی اور معاصر شعرا: تقابلی مطالعہ

Aziz Hamid Madni is an important poet of Urdu Language. Although he was not a member of progressive movement, he also had the progressive thinking. There were many famous writers of Urdu Language in his era i-e N-M Rashid, Ali Sardar Jaffari, Saleem Ahmad, Majrooh Sultan Puri, Sahir Ludhianvi and Ahmad Nadeem Qasmi. To understand the poetry of Aziz Hamid Madni, a comparative study is very important. To meet this need, an effort has been in this article titled, "Aziz Hamid Madni and Contemporary Poets: Comparative Study."

عزیز حامد مدنی کے ہم عصر شعراء میں اسرار الحق مجاز، فیض احمد فیض، ن۔م راشد، علی سردار جعفری، اختر الایمان، سلیم احمد، مجروح سلطان پوری، مخدوم محی الدین، خلیل الرحمٰن اعظمی، ساحر لدھیانوی اور احمد ندیم قاسمی کے نام شامل ہیں۔ ان میں سلیم احمد کے علاوہ تقریباً تمام شاعر ترقی پسند تحریک میں شامل رہے یا ترقی پسند نظریات کے حامی رہے مثلاً ن۔م راشد اور خلیل الرحمٰن اعظمی وغیرہ۔ ان میں سے اکثر عزیز حامد مدنی کے قریبی دوست اور ہم پیشہ (ریڈیو کے ساتھی) اور ایک دوسرے کے فنی سفر کے گواہ بھی تھے۔ گو کہ مدنی صاحب ساری زندگی ترقی پسند کہلانے میں خوشی محسوس کرتے رہے تاہم ترقی پسند ناقدین نے انہیں اپنے قبیلے کا کبھی نہیں سمجھا۔ جیسا کہ پروفیسر قمر رئیس لکھتے ہیں:

> بعض نام وہ ہیں جنہوں نے کبھی (ترقی پسند تحریک سے وابستگی) کا دم نہیں بھرا لیکن ان کے اظہار میں ترقی پسند دانش واضح طور پر برسر کار نظر آتی ہے۔ ن۔م راشد، اختر الایمان، مجید امجد، منیب الرحمٰن، عزیز حامد مدنی، شاذ تمکنت، مصطفیٰ زیدی، کشور ناہید، وحید اختر، پروین شاکر اور فہمیدہ ریاض کے یہاں جو سیاسی و سماجی شعور ہے، وہ فیض، مجاز، جذبی سردار جعفری، کیفی اعظمی، احمد ندیم قاسمی اور ساحر لدھیانوی سے قطعی مختلف اور بعض صورتوں میں زیادہ پختہ اور صائب ہے ان میں سے اکثر شعراء نے جدید انسان کی بے بسی اور ذات کے کرب کو بھی نظم کیا ہے، مسلمہ اور از کار رفتہ اقدار و آئین کے خلاف ان کے ذہنی رویوں کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔" (۱)

جن شعراء نے ترقی پسند تحریک سے وابستگی کا دم نہیں تو بھرا مگر وہ اس دورِ تغیّر وابتری میں جی رہے تھے جس میں سیاسی وسماجی سطح پر ایک اضطراب برپا تھا، سوانہوں نے اظہار کے پرانے سانچے توڑ کر نئے راستے تلاش کئے اور زندگی کے تمام حوالوں روح، جسم، مادہ، ہستی نیستی، حیات وکائنات، کثرت ووحدت، تصوف وفلسفہ، عقائد وعلوم کے دیگر قدیم وموجود نظام ہائے فکر پر غور وفکر کیا اور اپنے اظہار کے لیے قدیم وجدید ادب اور جدید تر علامتوں واستعاروں اور تشبیہوں سے اپنے طرز بیان میں جدت وندرت کو تخلیقی رنگ دیا۔

عزیز حامد مدنی نے بھی اپنے تخلیقی عمل میں ہیئتوں کے مختلف تجربات کیے مثلاً چشم نگراں میں زیادہ تر نظمیں پانچ مصرعوں کے ایک بند (یہ بند کسی نظم میں زیادہ کسی میں کم) کے طرز پر لکھی ہیں، جو اقبال اور جوش کا انداز ہے۔ البتہ چند نظمیں نظم آزاد کی ہیئت میں لکھی ہیں، جن میں ''مادرِ گیتی''، ''انجم شناس''، ''کمین گاہ'' جن میں مصرعے کے وزن ٹوٹتے ہیں۔ البتہ ساری نظم ایک بحر میں ہے۔ بعض نظموں میں بند میں مصرعے سات بھی ہیں، چند نظمیں ایسی ہیں جو طویل ہونے کے باوجود مسلسل ہیں اور ان میں بند نہیں۔

دشتِ امکاں میں بھی کچھ ایسی ہی صورتحال ہے ''ایک رم خوردہ دریا''، ''سمندر کا بوڑھا خدا''، ''شہر کی صبح''، ایسی نظمیں ہیں جو نظم آزاد کی ہیئت میں ہیں۔ باقی تمام نظموں میں بندوں کے مصرعے تین، چار، پانچ اور سات تک بھی ہیں مگر وہ برابر اور ہم وزن مصرعوں پر مشتمل ہیں اور ان میں مدنی صاحب نے ردیف قافیے کا تکلف بھی روا رکھا ہے نخل گماں میں ''آغاز''، ''رات اندھیری تھی'' اور کاکلِ وقت'' (منظوم ڈرامہ) میں نظم آزاد کی ہیئت کو برتا گیا ہے اور ''روحِ عصر''، ''تماشائیان بزمِ سخن''، ''وقت''، ''سرچارلس چپلن''، ''پروفیسر جولین ہکسلے'' اور ''آج کی دنیا''، ''ڈزنی لینڈ''، ''پکاسو کا کبوتر''، ''تیرے ساحل پر رصد گاہوں کے در (دریائے سندھ)''، ''اک طلوع شب ہے قندیلوں سے (اسلام آباد کا سواد)''، ''میرا پیالہ''، ''موجِ نفس''، ''سمندر''، ''ماہی گیروں کی بستی''، ''ایک پرانی ٹائی کو دیکھ کر''، ''قرب مرگ''، ''سفینہ''، ''تعارف اور ایشیاء کی سوریلی تصویر''، ایسی نظمیں ہیں جو مثنوی کی طرز میں لکھی گئی ہیں اور نخل گماں میں ان نظموں کی تعداد دیگر ہیئتوں پر غالب ہے، دو مصرعے ہم قافیہ ردیف، نظم کے آخر تک مسلسل چلتے ہیں جبکہ اس کے علاوہ تین مصرعوں کے بند پر مشتمل بھی چند نظمیں نخل گماں میں شامل ہیں جن میں ''تازہ تر''، ''کمرہ''، ''روحِ باراں''، ''وقت کی قاش''، ''آخری رات'' شامل ہیں۔ مدنی کی بعض نظمیں دو مصرعوں سے شروع ہوتی ہیں پھر تین مصرعے پھر دو مصرعے اس طرح نظم اختتام پذیر ہوتی ہے۔ ''حرف وآگہی'' اس کی بہترین مثال ہے۔

مدنی کے نوطبع مجموعہ کلام گلِ آدم میں ان کی مشہور نظم ''میر باقر علی داستان گو''، ''سان فرانسسکو کی ایک شام''، ''نیو آرلینس میں بردہ فروشی کا مہر زدہ نیلام گھر''، ''بوربن سٹریٹ''، ''نیو آرلینس کی ایک رات''، ''سرکلر ریلوے کے الف گیٹ پر''، ''پیوندرنگ (Malatt Girl)''، ''قرب کی ایک رات'' ایسی نظمیں ہیں جو نظم آزاد کی ہیئت میں ہیں۔ گل آدم کی

باقی نظمیں مدنی صاحب کے سابقہ مجموعوں دشتِ امکاں اور چشم نگراں کے انداز کی سی ہیں جو دراصل جوش اور اقبال کا ہی انداز ہے۔ حمید نسیم ''میر باقر علی داستاں گو'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

یہ نظم مدنی کی شاعری کا فکری سطح پر (Finale) ہے اس کی فکری سطح کا خلاصہ اس میں آ گیا ہے۔ فنی سطح پر یہ نظم (Grand Finale) نہیں بن سکی اپنے (Conception) میں مدنی فنی سطح پر ہے اسے اسلوبیاتی لباس پہنانے میں سطحِ عظمت پر نہیں، بہر حال یہ نظم زندہ رہے گی کہ مدنی کی فکر کا نچوڑ ہے۔ (۲)

گویا مدنی کے شعری موضوعات تو ارفع سطح قائم کر لیتے ہیں لیکن اسلوب مکمل ساتھ نہیں دیتا، اس کے باوجود حمید نسیم مدنی کے اسلوب کو اپنے معاصرین میں منفرد اور اس کی لفظیات کو نئی لفظیات قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

مدنی منفرد اسلوب کا باکمال نظم گو ہے اس کی لفظیات بھی کاملاً متعین ہو چکی ہیں جو نئی ہیں اور وسیع ہیں اوزان پر اسے مکمل قدرت حاصل ہے۔ اصوات کو مختلف بحور کی حد بندی میں اپنی غائت کے مطابق آہنگ عطا کرنا اب اس پر آسان ہو گیا ہے۔ (۳)

مدنی صاحب نے نظم اور غزل دونوں یکساں کہیں مگر ان کی نظم کی لفظیات اور ندرت غزل کے مقابلے میں مختلف ہے۔ بعض غزلیں تو اتنی روایتی آہنگ اور فضا میں (مگر نئے مضامین کے ساتھ) ہیں کہ یقین نہیں آتا کہ یہ دونوں تخلیقات ایک شاعر کی ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ان کی یہ مشہور غزل دیکھئے۔

فراق سے بھی گئے ہم وصال سے بھی گئے
سبک ہوئے ہیں تو عیشِ ملال سے بھی گئے
جو بت کدے میں تھے وہ صاحبانِ کشف و کمال
حرم میں آئے تو کشف و کمال سے بھی گئے
ہم ایسے کون تھے لیکن قفس کی یہ دنیا
کہ پر شکستوں میں اپنی مثال سے بھی گئے

(دشت امکاں۔ص ۸۵)

یہ پوری غزل کلاسیکی لفظیات اور ماحول کی حامل ہے لیکن نظم میں لفظیات اور ماحول یکسر بدل جاتا ہے، جیسا کہ ذیل میں نظم ''آخری ڈرامہ'' کا یہ حصہ ہے:

آخری ٹرام لڑکھڑاتی ہوئی
شل، پریشان، نیند سے بوجھل

شیڈ کے بازوؤں میں جاتی ہوئی
زنگ آلودہ بریک کی فریاد
کر گئی چند ساعتوں کے لیے
رہگذر کے سکوت کو آباد

(دشتِ امکاں۔ص نمبر ۷۵)

مگر نخلِ گماں اور گلِ آدم کی غزلوں میں بھی مدنی کے ہاں نئی لفظیات آتی ہیں اور نظم میں مزید جدید تر علامتیں اور استعارے نظم کے تاثر کو گہرا کر دیتے ہیں۔ مدنی کی غزل کے حوالے سے سلیم احمد لکھتے ہیں:

نخل گماں میں انہوں نے جولب ولہجہ پیدا کیا ہے اس میں فارسیت مشرقیت کے ساتھ مل کر ایک عجب لطف دے رہی ہے۔ مدنی کے یہاں استعارات اور تشبیہات کا ایک نیا نظام ملتا ہے' سمندر' ہوا' صبح وشام کی کیفیات' کشتیاں اور کھیتیاں اور اس کے ساتھ بدلتے ہوئے معاشرتی پس منظر سے اٹھائے ہوئے نقوش اور جب یہ سب مل کر ان کے فکری نظام کا حصہ بنتے ہیں تو ان میں ایک ایسی تصویر کے آب ورنگ جھلک اٹھتے ہیں جو بڑے کینوس پر بنائی گئی ہو۔(۴)

نئی علامتوں کا ایک خزانہ جوش ملیح آبادی کی شاعری کے جدید دنیا سے باخبر ہونے کی دلالت کرتا ہے۔ مگر ان کی جدید علامتیں مدنی کی طرح تخلیقی شعری ابلاغ میں نہیں ڈھلتیں۔ حمید نسیم کے مطابق مدنی اس عہد کے دیگر شاعروں کی طرح جوش کا صرف مدح خواں ہی نہیں معنوی شاگرد بھی تھا۔ عزیز حامد مدنی کی نظم میں بالخصوص نئی علامتیں، استعارے اور تلازمے نظم کے موضوعات میں بھی تنوع پیدا کرتے ہیں اور ماحول کی یکسانیت کا طلسم توڑتے نظر آتے ہیں۔ ترقی پسند تحریک نے نئے استعارات وتلازمات کے ساتھ ساتھ مروّج کلیشے توڑنے کا بھی کام کیا۔ ان شعرا نے نہ صرف نئی علامتیں تخلیق کیں بلکہ پہلے سے موجود علامتوں کو نئے معنی دیئے۔

نئی تہذیب، انسانی زندگی کو نئی ایجادات اور علوم جدید، میراثِ بزرگاں کم بہم آمیزی سے ایک زندہ اور مثبت اور خوشنما آئندکل بنادے گی یہی بات وہ (مدنی) نئے نئے استعاروں میں نظم میں کہتا چلا گیا۔ ریل' ہوائی جہاز' راڈار' جوش صاحب کے ہاں بھی یہ لفظ ملتے ہیں مگر وہاں محض فہرست اشیاء ہیں۔ نامیاتی کُل کا حصہ نہیں۔ جیسے ''لینن خدا حضور میں'' علامہ اقبال نے زندہ کرداروں کے طور پر استعمال کئے ہیں۔(۵)

مدنی کی ابتدائی فکری فضا پر اس عہد کے تقریباً سب شاعروں مخدوم، علی سردار' مجاز' جذبی' جاں نثار اختر' اختر الایمان' مصطفیٰ زیدی' اور دیگر کی طرح جوش کے اثرات غالب تھے۔ مدنی کے اولین مجموعے اور دشتِ امکاں میں بھی ایسے

اثرات موجود ہیں جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ مدنی نئے تلازمات اور نئی علامتوں کا تخلیقی استعمال ہنرمندی سے کر رہے ہیں، وہ اپنے معاصرین سے بھی نہ صرف موضوع کی سطح پر بلکہ اسلوب اور ہیئت کے تجربات میں بھی استفادہ کر رہے ہیں اور سلیم احمد کے بقول:

ہمارے دور میں مدنی کے سوا اور کوئی شاعر ایسا نہیں ہے جس نے اردو شاعری کے بڑوں (غالب۔اقبال۔جوش) سے وجدانی طور پر اتنی قربت محسوس کی ہو۔مغربی شعراء میں ایلیٹ اور آڈن سے مدنی واضح طور پر متاثر ہوئے ہیں یہ سب اثرات چشم نگراں سے نخل گماں تک وجدان وشعور میں حل ہوتے رہے ہیں نخل گماں میں وہ اقبال کے بہت قریب نظر آتے ہیں۔(۶)

مدنی کا شعوری ارتقا عصر جدید کے افکار و نظریات سے عبارت ہے ان کی بود و باش مشرق کے بڑے شہروں میں رہی اور انہوں نے تحریک آزادی اور قیام پاکستان کے مسائل، ترقی پسند تحریک کے قیام اور اس کا عروج و زوال، مشرق و مغرب کی علمی و ادبی تحریکوں کو بہت قریب سے بلکہ ان کے درمیان رہ کر دیکھا اور ان کی روح کو شاعری اور تنقید میں سمونے کی سعی کی ،اسی کے باعث ان کے شعری استعاروں میں تغیر اور وقت کا احساس شدت سے رونما ہوتا ہے اور دوسری طرف ان کی طبیعت کا اضطراب ان کی چھٹی حس کی حساسیت اور شاعرانہ وجدان کا غماز ہے۔مدنی دشتِ امکاں کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

نئے ادب کے اٹھائے ہوئے سوالات اتنے الگ' ان کے متعلقات اتنے پیچیدہ ان کی زبان اتنی اجنبی ہے کہ وہ اپنے مفہوم کی ادائیگی کے لیے ایک نیا شعور یا تاریخ کا نیا رویہ چاہتی ہے۔بیسویں صدی عیسوی سخن گسترانہ باتوں کی صدی ہے۔بیابان کی اس تاریکی میں اس کا کنج فکر الگ' اس کے خضر الگ' اس کے آب بقا کی تاثیر الگ ہے۔آج کا آدمی نیا ہے اس کے آداب واطوار' اس کی تعلیم و تربیت اس کی تہذیب وثقافت کا راستہ جدا ہے۔ہر زمانہ حال کے الگ وجود کو عارف و عامی ''روحِ عصر'' بھی کہتے ہیں۔یہ دورِ عظیم تغیر کا دور ہے۔(۷)

نیاپن، روحِ عصر اور تغیر مدنی کے محبوب استعارے ہیں اور سلیم احمد کے بقول اقبال کے بعد اردو شاعری میں سوائے مدنی کے ان مسائل کے حوالے سے کسی اور نے اتنی شدت اور کثرت سے نہیں لکھا۔دراصل مدنی عصر حاضر کی ''انسانی تقدیر'' کے مسئلے سے دوچار تھے اور اس کے مستقبل کے بارے میں امید اور ایسے خوف کا شکار تھے جس نے ان کی ساری شاعری کو ''شعوری کشمکش'' کی شاعری میں ڈھال دیا۔شمیم احمد اپنے مضمون ''عزیز حامد مدنی کی شاعری: میری نظر میں'' مدنی صاحب کو منفرد اور جداگانہ اسلوب کا حامل سمجھتے ہوئے بھی ان کی شاعری پر مجاز' فیض' راشد اور اختر شیرانی کے اثرات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عزیز حامد مدنی ایک بالکل مختلف زمانے اور فضا کے شاعر ہیں' شاعری میں ان کی آمد سے قبل جدید شاعری کا ایک مکمل دور سامنے آچکا تھا اور اردو شاعری کی تاریخ میں شامل ہو گیا تھا یہی وجہ ہے کہ عزیز حامد مدنی کی

شاعری اپنے شعور، بصیرت اور جدید فکر کے حوالے سے ابتدا ہی میں اس دور کی اگلی کڑی معلوم ہونے لگتی ہے بلکہ اپنے ہم عصر سینئر شاعروں سے ہم آہنگ ہو کر اپنی شناخت بھی مقرر کرتی ہے۔ ان شعراء میں جوش، فیض، مجاز، ن۔م راشد اور کہیں کہیں اختر شیرانی، میرا جی اور اختر الایمان کے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ چشم نگراں کی آخری دور کی چند نظموں کو چھوڑ کر فیض، مجاز، اور راشد کا اثر دور تک نظر آتا ہے۔'' (۸)

ان شعراء سے متاثر ہونے کے باوجود مدنی کی شاعری اپنے مخصوص فکری لب و لہجے کے ساتھ ساتھ اپنے موضوعات اور تخلیقی عمل میں بیسویں صدی کے گہرے انسانی شعور اور مغرب کی وسیع علمی اور فکری کائنات سے جڑی ہوئی نظر آتی ہے۔ راشد کے مدنی کی شاعری پر اثرات کا تاثر دونوں کے فارسی لب و لہجے کی بنا پر پیدا ہوتا ہے مگر مدنی اور راشد کی فارسیت کی فضا جدا جدا ہے۔ مدنی غالب اور اقبال کی فارسیت سے متاثر ہیں، جبکہ راشد براہِ راست فارسی شعراء سے، دونوں کی شعری فضا بہت جداگانہ اور الگ مفاہیم اور موضوعات کی حامل ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

جدید شاعروں میں عزیز حامد مدنی کو اس لیے اہمیت حاصل ہے کہ انہوں نے ندرت احساس اور اظہار کے ساتھ علامتوں کا رشتہ زندگی سے نہیں ٹوٹنے دیا ہے۔ رصد گاہ، فروس ٹروجن، چوہا، آپریشن تھیٹر، ٹرام، جیسی علامتی نظمیں اس لیے کامیاب نظمیں ہیں کہ ان میں فکر کی ایک اعلیٰ سطح ہے۔ جو مشاہدہ، تصور، ترتیب اور تزئین کے بنیادی جوہر کے ساتھ اپنے عہد کے سماجی رشتوں اور زندگی کے دوسرے مظاہر سے قوی رشتہ رکھتی ہے۔ عزیز حامد مدنی کی شاعری نے اردو نظم کو کئی سطحیں اور رخ دیئے ہیں۔ یہی وصف جب ان کی غزلوں میں ظاہر ہوتا ہے تو ایک نئی تازگی اور شگفتگی کا پتہ دیتا ہے۔ (۹)

مدنی کے معاصرین (نسبتاً ذرا سے سینئر شعراء) ن۔م راشد، مجید امجد اور اختر الایمان کے سوا کسی اور کے ہاں جدید حسیت، روح عصر اور علامتی تازہ کاری نہیں ملتی۔

روح عصر کی کسی عہد میں کیا مراد ہے، کیا مفہوم ہے؟ اسے آسان الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ کسی عہد کے بنیادی تقاضوں کی کشاکش، مذہبی تصورات و تاثرات، معاشی حالات اور طبقاتی کشمکش، کوئی فنکار اپنے عہد کے تہذیبی اور سیاسی حالات و واقعات سے اپنے آپ کو الگ نہیں رکھ سکتا۔ اس ضمن میں مجنوں گورکھپوری لکھتے ہیں:

ادیب یا شاعر کبھی اپنے دور کے خطرات اور تضادات سے بے گانگی نہیں برت سکتا۔ زمانے کا دھرم جس کا نام ''روحِ عصر'' ہے زندگی کا قانون ہے، ادب پر بھی اس قانون کی متابعت فرض ہے۔ اور ترقی پسند ادیب دنیا کے اسباب و حالات اور ان کے نتائج کی طرف سے بے پروائی نہیں برت سکتا۔ (۱۰)

ممتاز حسن نے ''روحِ عصر کو ایک ایسی بنیادی وحدت سے تعبیر کیا ہے جس کا ہر جز ایک کل کے ساتھ محو حرکت رہتا ہے

اور یہ کلیت انفرادی اظہار کی آزادی کے لیے کوئی راستہ نہیں دیتی۔ دنیا کے اقدار ونظریات اور زندگی کے عمل کے اصول ہی روحِ عصر کی تشکیل کرتے ہیں اور انہی تضادات وافکار سے نئی فکر کی راہیں کھلتی ہیں جو ادب اور زندگی کے تغیرات کے فلسفہ کی تشریح وتعبیر کرتی ہیں۔

عزیز حامد مدنی کی ایک اور خوبی ان کی ''علامتی تازہ کاری'' ہے جو ان کے ہم عصروں میں جدید تر اسلوب کے حامل شعراء کے ہاں ناپید نہیں تو بھی مبہم یا مشکل ضرور ہیں۔ ن۔م راشد اور اختر الایمان کی بہ نسبت مجید امجد اور میرا جی کے ہاں علامتی تازہ کاری نظر آتی ہے مگر میرا جی کی علامتوں کا ابلاغ مبہم ہے اور مجید امجد کی علامتیں دیہات سے جڑی ہوئی ہیں، جدید تہذیبی اور شہری علامتیں اپنے پورے ابلاغ کے ساتھ صرف مدنی کی شاعری میں رونما ہوتی ہیں۔ اپنی تمام تر معنویت اور پس منظر کے ساتھ ایک فضا بناتی ہیں۔

مثلاً ریل گاڑی کے حوالے سے مجاز اور جوش کی نظمیں صرف خارجی سطح پر اور مظاہر فطرت کی عکاسی تک محدود ہیں جبکہ مدنی کی نظم میر باقر علی داستان گو کی آخری مجلس میں ریل اور ریل کے انجن اور ہاتھی کا تصادم دو تہذیبوں کی کشمکش کی علامت اور عکاس ہے اور ہاتھی کی شکست کم علم قوم کی تہذیب کی شکست کی بڑی خوبی سے عکاسی کرتی ہے۔ حمید نسیم اس نظم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> سارا قصہ نیا ہے، پلاٹ دو تہذیبوں کا تصادم ہے، ایک پرانی تہذیب ہے جو صدیوں کے شان وشوکت امارت وسطوت وجلال، علم وتحقیق اور فنون میں عظیم تخلیقات کی سرمایہ دار ہے، مگر پھر روبہ زوال ہوئی تو نہ قوت وشوکت رہی نہ علم وتحقیق کی لوسب کچھ چھن گیا، دوسری طرف علم اور تحقیق۔ قدرت کو مسخر کرنے کے لیے شبانہ روز اعلیٰ دماغوں کی محنت۔ جب ان کے دو ایک سی شباہت رکھنے والے سمبل ایک دوسرے کے مقابل آئیں گے تو زوال کے گھن سے کھوکھلی تہذیب اور اس کے آثار (Visilbe Rembants) نئی جہاں کشا اور جہانگیر صاحب علم تہذیب کے سمبل کا کیا مقابلہ کریں گے۔ ناپید ہو جائیں گے۔ میں سمجھتا ہوں اس نظم میں مدنی نے اپنی عمر بھر کی شاعری میں علم وخرد کے نور کی جو برکات گنوائی تھیں۔ ان کا اجمال جس طرح پیش کیا تھا یہ نظم اس کا (Finale) ہے اس کا نقطہ تمام اور ماحصل ہے''(۱۱)

علامتی تازہ کاری کی جیسی مثالیں مدنی کے ہاں موجود ہیں اس کی نظیر اردو شاعری میں دستیاب نہیں خصوصاً شہری اور جدید صنعتی زندگی کے حوالے سے مدنی صاحب کے مماثل کوئی شاعری نہیں۔ اختر الایمان کی علامت نگاری ہو، یا راشد، مجید امجد، فیض، سب کی علامتوں کا مرکز ایک طرح سے روایت سے متصل ہے۔ اختر الایمان کی نظم ''لڑکا'' انسانیت کے ضمیر کا اعلامیہ ہے۔ ان کی نظم تمثیل اور کردار نگاری سے تشکیل پاتی ہے۔ ان کی نظم ''نیا شہر'' اور ''میر ناصر حسین'' علامتی پیرائے میں ہیں مگر ان میں کہانی اور ڈرامے کے عناصر شامل ہیں۔ اختر الایمان کی لفظیات وآہنگ میں اردو کی شعری روایت اور

اسلوب کی خوبیوں کا امتزاج ہے۔ اس کا باوجود اس میں شعریت کی کمی اور لہجے کا سپاٹ پن نمایاں ہے جبکہ راشد اس شعریت کے ساتھ نظم آزاد میں تجربات کرتے ہیں اور کامیاب رہتے ہیں۔ راشد کی علامت نگاری کلاسک خصوصاً عربی و عجمی کلاسک اور مسلم تہذیب وثقافت پر محیط ہے۔ ان کے اندر تحریک احرار کا دور ہمیشہ زندہ رہا۔ ان کی شاعری میں نمرود' سبا' سلیماں' من وسلویٰ' ابولہب' اسرافیل' آگ' راہبہ' زمانہ' حسن کوزہ گر' جہاں زاد' تقریباً تمام تر علامتیں مسلم تہذیب وثقافت اور اس کے کلاسک ادب سے نمو پذیر ہوتی ہیں سوائے مسز سالا سانکا کے۔ عزیز حامد مدنی کے بقول:

> ایذرا پاؤنڈ جو کچھ ایک تاریخی اور ثقافتی ادراک کی اکائی کے لیے لاطینی کلچر کے سلسلے میں کرنا چاہتا تھا راشد نے اپنے تجربات کی حد میں ایران کے لیے اس تاریخی ثقافتی ادراک کی اکائی کے لیے کیا۔ ایک تازہ کاری اور مقصدیت دونوں شعراء کی نظموں میں کلیدی ہے۔ (۱۲)

ن۔م۔ راشد نے ۱۳ فروری ۱۹۵۳ء کو نیویارک سے اپنی ایک نظم ''سباویراں'' مدنی کو روانہ کی (جس کا حوالہ جدید اردو شاعری حصہ دوئم ص نمبر ۵۳ پر موجود ہے) یہ علامتی نظم شدید شکستگی اور بے بسی اور ناامیدی کی آئینہ دار ہے۔ راشد نے اپنے زمانے کی عکاسی کے لیے نظم آزاد کو جدید حسیت کے ساتھ عصر حاضر کا لب ولہجہ دیا اور جدید شاعری کو دانشورانہ فضا کا رویہ عطا کیا۔ مگر ان کی علامتیں اور فکری فضا اس وسیع وسعت پذیر کائنات گیر حد کے اندر ہے جسے دورِ تغیر سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، جس کی سمت اختر الایمان اور مدنی نے پیش قدمی کی اور اس کے بعد بہت سے جدید شعراء نے ان کی پیروی کرنے کی کوشش کی مگر وہ زیادہ دور نہ چل سکے۔

مدنی کی علامتیں شاعرانہ فضا میں ڈھل کر شعری تجربات کا حصہ بنتی ہیں۔ وہ تخلیقات کی سطح پر تیرتی نہیں رہتیں جیسا کہ جوش اور دیگر کے پاس ہے بلکہ وہ جز سے شعری تجزیے کے کُل میں ڈھل کر ایک نئی فضا کے عمیق احساس کی تعمیر کرتی ہیں۔

مدنی کی نئی علامت سازی کا سفر یوں تو ان کے مجموعے چشم نگراں سے آغاز ہوجاتا ہے مگر دوسرے اور تیسرے مجموعے دشت امکاں اور نخل گماں میں یہ سلسلہ مسلسل ارتقا پذیر نظر آتا ہے اور گلِ آدم میں اپنے عروج پر ہے۔ یہ سب کیسے ہوا؟ خود عزیز حامد مدنی چشم نگراں کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> آخر ایک دن دیوار دبستان کو آخری بوسہ دیا۔ باہر نکلے تو۔ ریل کی پٹریوں کا جال' اسٹاک ایکسچینج' ایئر پورٹ ٹارمیک' طیاروں کی آمد و رفت' دلال' انشورنس ایجنٹ' غذا کی کمی' نحیف بدن تھے۔ میری نظموں میں بڑے شہر کی زندگی ہے اس کا تضاد ہے اس کی بے روح وسفاک تند وتیز علامتیں ہیں۔ یہ انداز تحریر اس وقت شروع ہوا تھا جب میں پندرہ سولہ سال کا تھا مجھے اس بات کا شروع ہی سے احساس تھا کہ جدید معاشرے کا محاورہ بدلا ہوا ہوگا۔ (۱۳)

مدنی کی اہم علامتی نظموں میں چوہا' آخری ٹرام' رصدگاہ' فرس ٹروجن' آپریشن تھیٹر' پچھلے پہر کا چاند، ایئر پورٹ کی رات، کوئی شاخِ آشنا' نینداور دیگر نظمیں شامل ہیں۔ ''چوہا'' جنگ عظیم دوئم کے بعد انتشار زدہ دنیا کے منظر نامے میں خوف' بھوک اور دربدر آدمی کی علامت ہے۔ جو ایک لقمۂ نان کے لیۓ سکون سے نیند کرنے کے لیۓ تباہی اور بربادی کے خوف سے سہما ہوا، چپ چاپ، بے روح زندگی بسر کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہے جب کہ آخری ٹرام میں مدنی صاحب کا فن انتہائی اعلیٰ سطح کو چھوتا ہے جب وہ ٹرام کی آواز کو کراہوں اور تھکن سے نڈھال بنا کر اسے عصر حاضر کی بھاگتی دوڑتی زندگی کی تصویر بنا دیتے ہیں۔

آخری ٹرام لڑکھڑاتی ہوئی
شل ، پریشان ، نیند سے بوجھل
شیڈ کے بازوؤں میں جاتی ہوئی
زنگ آلود بریک کی فریاد
کر گئی چند ساعتوں کے لیے
رہ گزر کے سکوت کو آباد

(آخری ٹرام)۔ص ۷۵

نخلِ گماں میں مدنی صاحب کی علامتوں کا دائرہ کائنات گیر ہو جاتا ہے اور ان میں تہذیب وثقافت سے جڑے کردار بھی سامنے آنے لگتے ہیں۔ نخلِ گماں میں وہ لیاری کراچی کے ماہی گیروں سے لے کر ڈزنی لینڈ تک ایک پرانی ٹائی اور بندو خان کی سارنگی سے لے کر سارقوں کی کشتیوں تک' شہیدانِ بیروت سے لے کر سر چارلیس چیپلن تک برٹرینڈ رسل سۓ پروفیسر ٹائن بی اور پروفیسر جولین ہکسلے تک کو بڑی سہولت اور شعریت کے ساتھ اپنی نظموں میں ڈھال لیتے ہیں اور دریاۓ سندھ کے کناروں پر پکاسو کا کبوتر اڑا دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں بہت مشکل مرحلہ تھا کہ دشتِ امکاں کے بعد مدنی صاحب اپنی قدیم علامتوں' رات' نیند' ٹرام اور چوہے کے حصار سے آگے نکلتے۔ مگر نخلِ گماں میں سواۓ رات کے تقریباً تمام علامات کا سلسلہ نیا ہے۔ اس میں البتہ سمندر کی علامت بھی پورے ابلاغ کے ساتھ ترقی کرتی نظر آتی ہے وقت اور تغیر ان کے پاس آغاز سے انتہا تک ہیں۔

عزیز حامد مدنی کی غالب علامتوں میں ''ہوا' رات، آگ، شہر، روح عصر' تغیر اور وقت ہیں ہوا' آزادی کی علامت ہے اور رات بیکرانی، خوف اور ڈر کی، آگ سرکشی اور بغاوت کی، شہر تہذیب وترتیب کی، تغیر کے معانی مدنی صاحب کے ہاں انقلاب کے ہیں' روح عصر کے معانی سماجی وثقافتی ارتقا کے مراحل کی عکاس ہے اور وقت ایسی لامحدود آمر اور مطلق

العنان قوت ہے جو سیماب پا ہے جو سب پر حکمراں ہے۔

مدنی صاحب کی طرح مجید امجد (جو نسبتاً مدنی صاحب سے سینئر ہیں) کی شاعری میں علامتی تازہ کاری کی رو نظر آتی ہے گو کہ ان کی شاعری کا غالب حصہ حب الوطنی اور اپنی مٹی اپنی دھرتی سے محبت پر مبنی ہے مگر انہوں نے کھلی آنکھوں سے زندگی کے بدلتے ہوئے تغیرّات و انقلابات کا مشاہدہ کیا ہے۔ان کی فکر میں روح عصر کی کارفرمائی جا بجا نظر آتی ہے۔ان کا مطالعہ وسیع تھا۔وہ فارسی انگریزی پر مکمل عبور رکھتے تھے۔مجید امجد کی شاعری کی اہم علامت ''سفر اور مسافر ہے، دیس اور پردیس ہیں مگر ان کے ساتھ انہوں نے عصر جدید کی ایجادات پر (کسی کے اتباع کے بغیر) ریل گاڑی' ریڈیو' ریلوے اسٹیشن' میونخ، ہوائی جہاز کے حوالے سے نظمیں کہی ہیں جو اپنے اسلوب اور موضوع کی بنا پر ان کی انفرادیت کی دلیل ہیں۔

عزیز حامد مدنی نے جدید اردو شاعری میں مجید امجد کی ایک نظم ''بس اسٹینڈ'' کو شامل کیا ہے۔خواجہ رضی حیدر کے مطابق:

> یہ نظم مجید امجد نے ۱۹۵۵ء میں لکھی تھی اور ان کے مجموعے ''شب رفتہ'' میں شامل ہے، یہ نظم اپنے موضوع اور معنوی وسعت میں بہت ندرت لیے ہوئے ہے۔اپنے بہاؤ میں ترقی پسندانہ رجحان کی حامل ہوتے ہوئے یہ نظم جدید رویے کی آئینہ دار ہے۔عزیز حامد مدنی نے مجید امجد کو ان شعراء میں شمار کیا ہے جن کے ہاں ہماری تہذیبی اور سماجی زندگی کی بنتی بگڑتی تہوں کا احوال واضح دکھائی دیتا ہے۔(۱۴)

مجید امجد کے شعری تجربات اور اسلوب اپنے عہد کے دیگر شعرا سے مختلف اور نیا پن لیے ہوئے ہیں۔ وہ ترقی پسند تحریک کے با قاعدہ کارکن تو نہیں تھے مگر بڑی حد تک ترقی پسند تھے،ان کے شاعرانہ موضوعات اس کے گواہ ہیں کہ وہ کائنات سماج اور انسان کے رشتے کو کس زاویے سے دیکھتے تھے۔ڈاکٹر محمد علی صدیقی لکھتے ہیں:

> اقبال کے بعد ابھرنے والے شعراء میں مجید امجد وہ واحد شاعر ہے جس نے سوچ' زبان اور لہجے کی حد بندیوں کو توڑ کر اپنی انفرادیت کا بھر پور احساس دلایا ہے، جب تک کوئی شاعر اپنی شخصیت' ماحول اور تہذیب کے قفس سے اپنی روح کو ایک آزاد پنچھی کی طرح اڑان بھرنے کا موقع عطا نہ کرے وہ کبھی عظمت کے اعلیٰ مدارج پر فائز نہیں ہوسکتا۔بیسویں صدی کی اردو شاعری میں یہ کام اقبال نے سرانجام دیا اور پھر اس کے بعد مجید امجد نے۔(۱۵)

مجید امجد کی اہم نظموں میں ایک نظم ''کنواں'' ہے جس کا موضوع مدنی صاحب کی شاعری کا بنیادی موضوع رہا ہے یعنی وقت۔ مدنی کے نزدیک وقت کی علامت زیادہ تر دریا کی علامت میں سامنے آتی ہے جبکہ مجید امجد نے وقت کو ''گھڑی'' کی شکل میں ''کنواں بنا دیا ہے، جو دائرہ وار حرکت پذیر ہے۔ تلمیذ فاطمہ برنی نے اس کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

مجید امجد کی نظم ’’کنواں‘‘ وقت کی دائرہ وار حرکت کا ایک جاندار عصری حوالہ ہے۔ کنواں اس جاودانی چکر کا حوالہ ہے، جو معاشی ناہمواری سے تعلق رکھتا ہے اور صدیوں سے جاری ہے۔ یہاں وقت کا جبر پہلے بھی نمایاں ہے، انسان کی یہ بے بسی وقت کی دائرہ وار حرکت کا حصہ ہے (مثال: بیلوں کی گردش ہے) دوسری نظم ’’پنواڑی‘‘ ہے جس میں پنواڑی کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ’’پنواڑی‘‘ بن جاتا ہے۔ اس نظم میں بھی وقت کی دائرہ وار حرکت اس سماجی اور معاشی نظام کو مضبوط کرتی ہے جس کے چکر سے نکلنے کے لیے انقلاب درکار ہوتا ہے۔ (۱۶)

وقت کے حوالے سے ’’کلیات مجید امجد‘‘ میں بہت سی نظمیں ہیں۔ جن میں سے درسِ ایام‘ انقلاب‘ ننھے بچو‘ بیسا کھ‘ پہیلی سے پہلے‘ پھولوں کی پلٹن‘ ہری بھری فصلوں‘ وغیرہ شامل ہیں۔ مگر مجید امجد وقت کے دائرہ وار سفر کے قائل ہیں اور وقت کے مستقیمی سفر کے حوالے ان کی شاعری میں موت کے نمودار ہونے سے نمایاں ہوتے ہیں یا روزانہ کی زندگی میں نظر آتے ہیں مثلاً:-

عدم کے راستے پر آنکھ میچے
کوئی آگے رواں ہے کوئی پیچھے

یہی صورتحال ’’سفر درد‘‘ میں بھی ہے اور ’’طلوعِ فرض‘‘ میں بھی۔ جس میں وقت گزراں کی مثالیں ہیں۔ نظم کی طرح غزل میں بھی مجید امجد کے پاس عصر جدید کی عکاسی بہت بھرپور انداز میں ہوتی ہے جس سے بعد آنے والے شعرا نے خوب خوب استفادہ کیا ہے۔ وہ غزل میں نامانوس‘ نئے الفاظ بڑی شعریت کے ساتھ شعر میں سمو لیتے ہیں مثلاً

میری مانند خود نگر تنہا
یہ ’’صراحی‘‘ میں پھول نرگس کا
رہیں درددوں کی چوکیاں چوکس
پھول لوہے کی باڑھ پر بھی کھلا
صبح کی دھوپ ہے کہ رستوں پر
منجمد بجلیوں کا اک دریا
دور سے دیکھو اونچا پُل اس شہر کا
پانیوں پر اک لوہے کی یہ کہکشاں

ص ۱۴۷۔ کلیات

قالینوں پہ بیٹھ کے عظمت والے سوگ میں جب روئے

دیمک لگے ضمیر اس عزتِ غم پر کیا اتراتے تھے

کلیاتِ مجید امجد۔ص ۱۵۷

مجید امجد پر اقبال کی شاعری کے اثرات غالب تھے جو ان کی تمام شاعری میں نمایاں نظر آتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

وہ شے جو ایک نئے دور کی بشارت ہے

ترے لہو کی تڑپتی ہوئی حرارت ہے

وطن چمکتے ہوئے کنکروں کا نام نہیں

یہ تیرے جسم تری روح سے عبارت ہے

مجید امجد کا شمار عہد حاضر کے ان رجحان ساز نمائندہ شعراء کی فہرست میں ہوتا ہے جن میں ن۔م راشد اور فیض شامل ہیں۔مدنی صاحب سے ان کا تقابلی جائزہ صرف منتخب نظموں پر ہی ہوسکتا ہے کہ مجید امجد کی نئی علامات کا دائرہ ن۔م راشد سے قدرے وسیع اور اس دھرتی سے جڑا ہوا ہے مگر مدنی صاحب کی علامتیں شہری زندگی اور مجید امجد کی زیادہ تر علامتیں دیہاتی معاشرے سے متعلق ہیں۔سوان کا تقابل ممکن نہیں مگر ان کے نئے پن اور جدید حسیت اور نئے غیر مستعمل الفاظ کو شاعری میں ڈھالنے کی حکیمانہ فنکاری سے کسی کو بھی انکار نہیں۔عزیز حامد مدنی کے بقول ''علامتی نظر اپنی داخلی کیفیت سے پیدا ہوتی ہے اس کے مواد یا پس منظر کا جاننا ضروری نہیں ہوتا وہ ایک کیفیت کی ترجمانی پر ختم ہو جاتی ہے''۔

عزیز حامد مدنی کے معاصر اور مجید امجد کی طرح نسبتاً سینئر اور مدنی صاحب کے محبوب شاعر فیض احمد فیض ہیں۔فیض کی شاعری پر روایت کی گہری چھاپ کے باوجود ایک نوع کی تازگی' جدت اور ندرت ہے۔ن۔م راشد نقشِ فریادی کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> فیض کی نظم کا موضوع خواہ کوئی رومان ہو یا خواہ زندگی کی کوئی سنگین حقیقت' اس کا طریقہ کار' اس کی تیکنیک ہر جگہ ایک سی رہتی ہے اگر آپ اس کی نظموں کو دیکھیں تو شاید ہی کوئی تشبیہ ملے گی۔وہ صرف ایسے الفاظ کا انتخاب کرتا ہے جو مل کر تاثر کے تاروں میں ایک شدید لیکن پائیدار ارتعاش پیدا کردیں۔اپنی بعض نظموں مثلاً ''تہہ نجوم''' ایک منظر اور'' سرودِ شبانہ'' میں اسی قسم کی کاریگری سے کام لیا ہے لیکن اس کی نظم '' تنہائی'' اس نوع کی صناعی کی غالباً بہترین مثال ہے۔(۱۷)

اس نظم (تنہائی) میں تاروں کا ڈھلتا غبار' ایوانوں میں لڑکھڑاتے چراغ' اجنبی خاک' بے خواب کواڑ وغیرہ ایک زوال پذیر منظر کی پر تاثر عکاسی کرتے ہیں۔ن۔م راشد کے نزدیک یہ نظم ایک بڑی تخلیق ہے مگر وہ یہ بھی لکھتے ہیں،فیض کسی

مرکزی نظریے کا شاعر نہیں وہ صرف احساسات کا شاعر ہے اور وہ شدید احساس حسین الفاظ میں سمو دیتا ہے۔ فیض کا یہ کمال ان کی بعد کی شاعری میں مزید کمال کو پہنچتا ہے۔

مدنی صاحب کے مطابق فیض کی بنیادی بات ان کا شعری تجربہ ہے مگر اس سلسلے میں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان کے شعری تجربے کا دائرہ کن پہلوؤں کو نمایاں کرتا ہے۔ ڈاکٹر اشفاق احمد لکھتے ہیں:

> اقبال کے بعد فیض ہی ایسے شاعر تھے جن سے نئے علامتی نظام کے بننے اور مستحکم ہونے کی امید تھی لیکن فیض نے چونکہ نئی علامتیں استعمال نہیں کیں اس لئے نئے علامتی نظام کی تشکیل نہ ہو سکی۔ (۱۸)

البتہ فیض کا کمال یہ تھا کہ انہوں نے پرانی علامتوں کو نئے مفاہیم عطا کئے اور قدیم علامتوں کی معنویت کو تبدیل کر دیا۔ معنویت اور اہمیت کے حوالے سے یہ پرانی علامتیں تازہ معلوم ہوتی ہیں اور شعری تجربے میں گھل مل کر ایک ندرت پیدا کرتی ہیں۔ فیض نے چمن، قفس، ساقی، صیاد، صہبا، ستارے، رات، صبح، شام، زنجیر وغیرہ کی علامتیں وسیع تر معنوں میں استعمال کی ہیں۔ ان کے ہاں چمن کا تصور وطن ہے، قفس، غیروں کی غلامی، صبح، آزادی کی علامت، شام، خوف اور اندیشے کی علامت، صہبا بیرونی دنیا سے رابطے کی علامت اور ہمت اور حوصلے کی نوید، صیاد، عوام دشمن قوتیں، واعظ، شیخ محتسب بھی اسی سلسلے کی کڑی ہیں۔ رات کا گرم لہو، جدوجہد اور سرفروشی کی علامت ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

محتسب کی خیر اونچا ہے اس کے فیض سے
رند کا ساقی کا خم کا سے کا پیمانے کا نام
صبا نے پھر در زنداں پہ آکے دستک دی
سحر قریب ہے دل سے کہو نہ گھبرائے
دامن میں ہے مشتِ خاک جگر ساغر میں ہے خونِ حسرتِ مئے
لو ہم نے دامن جھاڑ دیا لو جام الٹائے دیتے ہیں

فیض کا علامتی نظام نیا نہیں مگر ان کی شاعری کی مجموعی فضا میں ندرت اور شدت احساس ہے جس کا تاثر دیرپا اور گہرا ہے۔ مدنی صاحب فیض کی نظم ''ملاقات'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> یہ نظم اشاریت کی ایک بڑی مثال ہے اس میں انہوں نے کسی ایک ہی استعارے پر توقف نہیں کیا ہے اس کیفیت کے تعمیر کرنے میں مختلف تلازمات اور شبیہیں موجود ہیں اس نظم کے تین حصے ہیں۔ مگر مرکزی خیال مصرع اول میں آ گیا ہے:

یہ رات اس درد کا شجر ہے
جو مجھ سے تجھ سے عظیم تر ہے(۱۹)

یہ وہ عہد تھا جس میں انسانیت پر، زندگی کے راستے پر، گہرے سیاہ سائے مسلط تھے۔اس سیاہ رات میں صرف محبوب کی نظر ہی موجِ زر کی طرح دمکتی ہے اور جدائی کا غم ہی شرر بار ہے' غاصب سائے زرد پتے جابر قوت اور سرفروشوں کی علامتوں کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ جو اپنے جگر کا لہو دے کر افق پر صبح روشن کرتے جاتے ہیں۔

فیض کا عہد تغیر پذیر تھا مگر فیض نے شاعری میں زیادہ عمیق تجربے کرنے کے بجائے احساساتی سطح ہی کو پیش نظر رکھا زیادہ سے زیادہ کھیت سے فصل اگانے کے بجائے بھوک اگا دی۔فیض کی حسیات کی شاعری میں جذبہ وفکر کی جداگانہ ندرت ہے اور بقول مدنی صاحب کے''زندگی کا برتر ادراک''ان کی حسیاتی نظموں میں'شیشوں کا مسیحا' نثار میں تری گلیوں کے'دو عشق' تمہارے حسن کے نام'بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔علی سردار جعفری' اختر الایمان' مجاز' مخدوم محی الدین' ساحر لدھیانوی' احمد ندیم قاسمی' خلیل الرحمٰن اعظمی' سلیم احمد اور ن۔م راشد کی نظموں کی فضاء اور علامتوں کے مقابلے میں مدنی صاحب کے نظم زیادہ وقیع وسیع، گہری معنویت اور نئی علامتوں کے ساتھ رونما ہوتی ہے۔سردار جعفری کی نظم' نئی دنیا کو سلام''۔ساحر لدھیانوی کی''پرچھائیاں''۔احمد ندیم قاسمی کی نظم''پتھر''،اختر الایمان کی نظم''لڑکا''،مخدوم محی الدین کی''چنبیلی کے منڈوے تلے''،مجاز کی نظم''آوارہ'' جدید حسیت کی حامل نظمیں ہیں۔جن میں نئی علامتوں کا ایک سراغ ملتا ہے۔ ''نئی دنیا کو سلام'' کے حوالے سے سردار جعفری لکھتے ہیں:

> ''نئی دنیا کو سلام'' میری سب سے طویل نظم ہے یہ نظم پیش کرتے ہوئے مجھے جھجھک ہو رہی ہے جھجھک کی وجہ خوداعتمادی کی کمی نہیں بلکہ نظم کا نیاپن ہے اور ٹیکنیک بھی نئی ہے۔(۲۰)

مدنی صاحب کے بقول یہ چونکا دینے والی نظم ہے نئے انداز کی نظم کی حیثیت سے وہ آپ اپنی مثال ہے اردو میں تمثیلی نظم کی حیثیت سے یہ پہلی ہے اس میں انہوں نے نئی ہیت''بلینک ورس'' کو جس مثبت اور رواں انداز سے استعمال کیا ہے وہ ہماری شاعری کے مزاج اور اس کے آہنگ کی سمجھ کی بہت اچھی مثال ہے۔نظم آزاد کو ڈرامائی تشکیل کے لیے اردو میں انہوں نے استعمال کر کے بڑی حد تک اس تعصب کو مٹا دیا جو اس ہیت کے لیے لوگوں کے ذہنوں میں تھی جو پابند شاعری کے قائل تھے۔(۲۱)

نخل گماں میں مدنی صاحب کی ایک طویل نظم''کاکلِ وقت'' ہے اور مدنی صاحب کی یہ نظم''منظوم ڈرامے'' کے طور پر ۳۱ دسمبر ۱۹۵۴ء کو ریڈیو پاکستان کراچی سے نشر ہوئی۔ڈاکٹر اسلم فرخی لکھتے ہیں:

(نوٹ) جبکہ شمارہ آہنگ ۱۹۔۱۶ ستمبر ۱۹۵۴ء ایڈیٹر غلام عباس' سب ایڈیٹر محشر بدایونی کے مطابق''کاکل

وقت'' ۳۰ستمبر۱۹۵۴ء کو پیش کیا گیا۔اس ڈرامے میں مدنی صاحب نے شاعرانہ تازہ کاری' رچے ہوئے اسلوب اور معاصر فکر کے چیلنج کو بڑی خوبی اور دیدہ وری سے یکجا کیا تھا۔(۲۲)

سردار جعفری کی طویل نظم ''نئی دنیا کو سلام'' ۱۹۴۶ء میں شائع ہوئی تھی۔سردار جعفری اور مدنی کی نظم کا موضوع مختلف ہے مگر کردار ایک سے ہیں۔مدنی صاحب کی نظم میں سن رسیدہ مرد کی آواز' سن رسیدہ نسوانی آواز' نوعمر نسوانی آواز' نوعمر مرد کی آواز' کے عنوان سے چار کردار ہیں۔جو اس صدی کی فکر اور انکشاف کے رجحان اور اس کے پیدا کردہ تغیرات کے معاشروں پر اثرات کو پیش کرتے ہیں ان آوازوں کی وضاحت کرتے ہوئے مدنی صاحب لکھتے ہیں:

زمانے کے انداز بدلیں گے'' اس نظم کا موضوع ہی بدلے ہوئے انداز ہیں نظم کی آسان ساخت کے لیے عہد گزشتہ کی آہستہ روی اور آسائش اور عہد نو کی تعمیر اور تیز رفتاری کی جھلکیوں کو چار آوازوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔دو نسوانی آوازیں اور دو مردانہ آوازیں سن رسیدگی اور نوعمری کی نمائندہ ہیں۔(۲۳)

'' کاکلِ وقت'' میں ادوار اور تاریخ کے صفحات پلٹتے چلے جاتے ہیں اور اس نظم میں سب سے محرک اور طاقتور قوت بن کر وقت کا کردار سامنے آتا ہے اور عصر قدیم اور عصر جدید کی فکر کا آپس میں اپنی خوبیوں اور اوصاف حمیدہ کے بارے میں بھرپور مکالمہ ہے۔نوعمر مرد کا کردار عصر حاضر کے آشوب کو بیان کرتا ہے اور آنے والی کل سے پرامید ہے۔

جبکہ سردار جی کی نظم ''نئی دنیا کو سلام'' میں نئے تصورات نئے امیج ہیں اور اس کے کردار ایک مرد ایک عورت (جاوید اور مریم) نقیب انقلاب ہیں،عورت کی نمائندہ جھانسی کی رانی کی روح ہے۔۔۔جاوید اور مریم کی تقریر ذاتی نفرت' بغض وعناد اور کینہ پروری کی تلخیوں سے یکسر پاک ہے ان کی جنگ ایک خاص نظام حکومت اور ایک خاص تمدن سے ہے جس کی بنیاد جبر و تعدی پر ہے۔جس میں دولت کی تقسیم غیر مساویانہ اور نامنصفانہ ہے۔''(۲۴)

سردار جعفری اپنی اس نظم کے حوالے سے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

یہ منظوم تمثیل نہیں بلکہ تمثیلی نظم ہے۔اس کے کردار' کردار نہیں علامتیں ہیں' کہانی یا پلاٹ نہیں بلکہ مبہم ساخاکہ ہے جس کو میں نے رنگ بھرنے کے لیے بنایا ہے واقعات کے بجائے واقعات سے پیدا ہونے والے جذبات' تاثرات اور احساسات پیش کئے ہیں۔(۲۵)

اپنے موضوع کے حوالے سے،فن اور ندرت و جدت کے حوالے سے مدنی صاحب کی نظم '' کاکلِ وقت'' سردار جعفری کی نظم ''نئی دنیا کو سلام'' سے زیادہ اہم ہے مگر افسوس اس سمت کسی نے توجہ نہیں دی اور مدنی صاحب نے بھی بہت دیر میں اسے اپنے شعری مجموعے میں شامل کیا۔دراصل ہر شعری تجربے کے پیش کرنے کا ایک وقت ہے اگر اس وقت کے بعد

وہ چیز منظر عام پر آئے تو اس کی اثریت اور شاعرانہ حیثیت میں چاہے کمی نہ ہو مگر اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کے تعین میں بہت سے مسائل پیش آتے ہیں۔ مدنی صاحب کی نظم موضوع، فن اور تخلیقی تجربے کے حوالے سے جعفری صاحب کی نظم سے زیادہ اہم ہے مگر مدنی صاحب کی عدم توجہی کی بنا پر یہ اپنے اصل مقام سے محروم رہی۔

ہر شاعر کا اپنا اپنا نظام حیات اور فکری دائرہ ہوتا ہے جس کے ذریعے سے وہ سماج اور انسان کے رشتے کی اہمیت و افادیت کو سمجھتا ہے۔ مدنی صاحب کا عہد ادب اور فرد کی بیداری کا اور تغیر و تبدیلی کا عہد ہے جس میں جدید سے جدید تر انکشافات، ایجادات اور نظریات جنم لے کر معاشرے پر اثر انداز ہو رہے تھے۔ ذاتی اور اجتماعی سطح پر ادب میں زبردست تبدیلیاں آ رہی تھیں کہ ترقی پسند تحریک برصغیر میں نمود پذیر ہوئی اور اس کے اثرات ہر خاص و عام اور ہر صنفِ ادب پر پڑے، ہیت کے تجربات موضوعات میں جدت اور شاعرانہ فکر کے دائرے میں وسعت آئی۔ گو کہ اس کا آغاز حالی نے شاعری کی افادیت کے حوالے سے کیا تھا۔ ترقی پسند تحریک نے مارکسی نقطہ نظر سے عوامی ادب اور ادب کو انسانی فلاح و بہبود کا ذریعہ بنانے کے لیے کاوشیں کیں۔ اس دور میں مغرب کے شاعرانہ تجربات دخیل ہونے سے اردو شاعری کا اسلوب بھی بدلا جسے مدنی ''بدلا ہوا محاورہ'' کہتے ہیں۔ خاموش اور ساکت معاشرے میں مشین اور سائنسی ایجادات نے ہلچل مچا دی، فکر میں تفکر اور ادراک کے نئے زاویے نئے رستے کھول دیئے اس عہد میں پرورش پانے والے مدنی صاحب کی فکر زبردست تغیر کی زد میں آ گئی، اقبال جوش اور مغربی ادب کے مطالعے نے انہیں دنیا کو نئی طرح سے دیکھنے کا ڈھنگ عطا کر دیا۔ اور اس فکر کے زیر اثر ان کی اور ان کے ہم عصروں کی شاعری کی پرداخت ہوئی۔ آل احمد سرور لکھتے ہیں:

> جس طرح تجریدی مصوری سے نقالی کا مطالبہ بے معنی ہے اسی طرح شاعر سے یہ مطالبہ غلط ہے کہ وہ صرف اسی زبان میں بات کرے جو یا تو عقلیت کے دور کی ہے' یا دور اصلاح کی' یا ترقی پسندی کے دور کی۔ آج کے شاعر کی زبان دریا اور ساحل' نور اور ظلمت قفس اور آشیاں کے تلازمات اور مناسبات استعمال نہیں کرتی۔ آج کی زبان کا استعارہ آرائشی نہیں ہے بلکہ خیال کی پہنائی کو اسیر کرنے کے لیے ہے۔ یہ شاعری علامات کی شاعری ہے' یہ دیوار' سائے' چٹان، دھند لکے' صحرا' ویرانے، ناگ جیسی علامات کے ذریعے اس دور کے انسان کی واردات کہتی ہے یہ فوری اپیل کی شاعری نہیں ہے یہ غور و فکر کا تقاضہ کرتی ہے۔ نئی شاعری جنس زدہ نہیں ہے (ہماری قدیم شاعری خاص جنس زدہ تھی) یہ روح کے علاوہ بدن کو بھی مناسب اہمیت دیتی ہے مگر معنی خیز بات یہ ہے کہ جنسی جذبہ جو دبا ہوا تھا اور بہت سی نفسیاتی الجھنوں اور گرہوں کا باعث تھا اب کھلے میدان میں آ گیا ہے اور اس طرح ایک ذہنی طہارت کا سراغ دینے لگا ہے۔(۲۶)

ن۔ م راشد' اختر الایمان' منیب الرحمٰن' جاں نثار اختر' مخدوم' احمد ندیم قاسمی' وزیر آغا' مجروح سلطان پوری' ساحر لدھیانوی کا شعور اور فن ترقی پسند نظریات کا عکاس ہے۔ انہی سے ذرا پہلے مجید امجد، میرا جی، خلیل الرحمٰن اعظمی کی شاعری کا

آ غاز ترقی پسندی سے ہوا۔مگران کی فکراس دائرے سے نکل کرانسان اورزندگی کی کلیت کی تلاش میں نئی راہوں کی سمت مڑ گئی۔انہوں نے فلسفے اورنظریے سے وفاداری نبھانے کے بجائے زندگی اور وجود کی پیچیدگی کو سمجھنے کی کاوش کی اور ذہن و روح کی بیداری کی تلاش میں نکل پڑے، ان کی انفرادی کاوشیں اجتماعی فکر پر بھی اثر انداز ہوئیں اور اردو شاعری کو ترقی پسند فکر کی تازگی کے بعد ایک نئے اسلوب بیان اور ندرت سے آشنا کیا مگران سب شعراء میں ایک امر بڑی حدتک عیاں ہے کہ سب نئے اسلوب اور اظہار کے نئے زاویوں کی تلاش میں تھے اوران کے ہاں علامتی تازہ کاری کی جستجو پائی جاتی ہے، جس کی روایت اقبال نے ڈالی تھی۔ علامتی اسلوب نے شاعری کی اثریت میں بے پناہ اضافہ کیا اور مختلف مفہوم مختلف زاویے سے پیش کیے، حالانکہ علامت اپنی جگہ خود بھی کثیرالمفہوم تھی مگر معاصر شعراء کے ہاں مختلف زاویے سے ان کے استعمال نے اردو شاعری میں رنگا رنگی اور بلاغت وفصاحت کی جدید مثالیں قائم کیں۔فن انسان کو انسانی زندگی کے تجربات وحقائق سے دوچار کرتا ہے اور ایک مخصوص سماج میں اس کے ہونے کا شعور وادراک اوراس کی زندگی کے مقاصد کی تشریح کرتا ہے' میراجی، راشد، فیض، سردار جعفری' اختر الایمان، مجید امجد سب کے ہاں زندگی کے حوالے اورتشریحات مختلف ہیں، کہیں روحانی' کہیں وجودی' کہیں داخلیت ہے' کہیں خارجیت۔جدید شعراء نے فکر وفن کے لیے نئی جولاں گاہیں تلاش کیں اور قدیم تصورات سے بغاوت کی مگر معدودے چندلوگوں نے روایت کے ساتھ جدت اور ترقی پسندی کو اپنا یا، ان میں ایک نام ظہیر کاشمیری کا ہے جو ترقی پسند تحریک کے سرگرم کارکن (امرتسر میں) اور با کمال شاعر تھے جو''ادب لطیف'' اور''سویرا'' کے ایڈیٹر بھی رہے۔وہ احمد ندیم قاسمی کی طرح عظمتِ انسانیت کے قائل تھے۔اسی لیے انہوں نے اپنے پہلے مجموعے کا نام عـظـمـتِ آدم رکھا۔ان کا مسئلہ شاعری کی ہیت سے زیادہ''مقصد'' تھا۔قاسمی صاحب اورظہیر کاشمیری کا مقصد عظمتِ آدم ہے مگر دونوں کی سوچ میں مقام عظمت سمجھنے کے طریقۂ کار میں فرق تھا۔قاسمی صاحب ایک عام، سادہ، باکردار انسان کو عظیم سمجھتے تھے مگر ظہیر کاشمیری کا تصور عظمت آدم روایت سے بالکل جداگانہ تھا۔سجاد حارث کے مطابق:

> اقبال جب یہ کہتے ہیں کہ''تو شب آفریدی' چراغ آفریدم'' توان اشعار میں وہ عظمتِ آدم کے تصور کو تجرید کی منزل سے کچھ آگے لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔عظمتِ آدم کے اس تجریدی تصور کو پہلی بار ترقی پسند ادیبوں ہی نے سائنسی اور عملی مفہوم دیا اور انہوں نے اس تصور کو ذہنی اور فکری دھند اور مابعدالطبعیاتی بکھیڑوں سے نکال کر لباس مجاز پہنایا۔ظہیر کاشمیری کے ہاں انسان اوراس کی عظمت کا تصور عصری حقیقتوں' سائنسی علوم اور فکری بصیرتوں کا ہی پیدا کردہ ہے۔اس عصری شعور نے ہی انہیں ترقی پسند تحریک سے وابستہ کیا۔انسانی عظمت کے لیے جہد و پیکار کا حوصلہ دیا اوران کے فکر وفن میں آگہی کے چراغ روشن کیے۔(۲۷)

عظمت آدم کے دیباچے میں ظہیر کاشمیری اپنے فنی سفر کو عظمتِ آدم کی جدوجہد کا رزمیہ قرار دیتے ہیں:

میں نے اس وقت جو کچھ بھی لکھا ہے اس میں اگر کوئی فکری عظمت یا ہیتی چابکدستی ہے تو وہ انسانیت پرستی

ایسے آدرش کی مرہون منت ہے اگر کوئی فنی پائندگی ہے تو مشرق ومغرب کی پائندہ انقلابی تحریکوں کی بخشی ہوئی ہے۔(۴۸)

ان کی علامتیں کلاسیکی ہیں اور شاعری کی فضا خارجی مگر انہوں نے نئے موضوعات کو نئی علامتوں اور تلازموں کے ساتھ تخلیق کیا ہے۔انہوں نے نظیرا کبرآبادی کے آدمی نامہ کی یاد تازہ کرتے ہوئے اسی عنوان سے نظم لکھ کر ان کے فکری تسلسل کو آگے بڑھایا ہے۔آدمی نامہ میں پانچ طویل نظمیں ہیں(۱) آدمی نامہ(۲) ایشیاء(۳) گل رخ(۴) آتش بازی کی رات(۵) نیا چاند۔ظہیر کا آدمی نامہ نظیر اور اقبال سے جدا فکر رکھتا ہے۔نظیر واقعیت کے شاعر ہیں اور اقبال کا آدمی مثالی ہے مگر نظیر کا آدمی حقیقی ہے۔یہ وہ انسان ہے جو زمانے کے ظلم وستم کا شکار اور صدیوں سے پابند سلاسل ہے، مجبور اور مفلس ہے مگر جس کے پائے ثبات کو لغزش نہیں۔جو انسانیت کے مقامات کو مرحلہ وار سمجھتا اور ان کی عقدہ کشائی کرتا چلا جارہا ہے۔وہ ضمیر کی آزادی کا پاسبان ہے۔آزادی فکر وعمل کے نصب العین کے لیے کوشاں ہے۔ظہیر بیسویں صدی کے بالغ نظر سائنٹیفک شعور کے تہذیب یافتہ شاعر ہیں سو ان کی اس نظم میں حقیقت پسندی، تاریخی شعور اور جدید علوم سے ابھر نے والے احساسات ہیں جن میں خوابوں کی رنگ آمیزی نہیں بلکہ تاریخ وتہذیب کا حقیقی شعور اور منظر نامہ ہے۔

حالی، اقبال، جوش ملیح آبادی، ساحر لدھیانوی، اور دیگر نے بھی طویل نظمیں کہی ہیں مگر ان کے ہاں مقصدیت سطح پر تیرتی ہے اور ساحر کی نظم میں رومانویت کا عنصر غالب ہے۔شعراء کی اکثریت نے اقبال اور جوش کی اتباع کے علاوہ عصری صورتحال اور فنی ضرورت کے پیش نظر نظم کو اپنایا۔ن۔م راشد، مجاز، میراجی، فیض، سردار جعفری، اختر الایمان، مخدوم وغیرہ نے نظم آزاد میں تجربات کئے، اس حوالے سے تصدق حسین خالد کو اولیت حاصل ہے مگر عمدہ شاعری کی مثالیں ان شعراء نے پیش کیں۔نظم ایسی صنف برصغیر میں اپنی مقبولیت میں غزل سے آگے بڑھتی نظر آنے لگی اس میں اقبال، جوش اور اختر شیرانی کی کاوشوں کو بھی دخل تھا، جنہوں نے نہ صرف موضوعات کی سطح پر نت نئے تجربات کیے بلکہ ہیئت و بحور میں بھی نئے موضوعات کو سمو کر اسے اعلیٰ فن پارہ بنادیا۔یہ شاعر انگریزی شاعری اور یورپ کے جدید افکار سے متاثر تھے۔اس عہد کی شاعری میں عصری شعور، جدید موضوع، نیا اسلوب، جذبات کی فراوانی، آزادی فکر، اور آمریت اور فرسودہ رسم ورواج سے بغاوت ملتی ہے اور ان کے جلو میں نئی علامات وتشبیہات، جدید تراکیب اور استعاروں کا نیا جہاں نظر آتا ہے۔مدنی صاحب کے بقول اس عہد میں تبدیلی ہیت بھی شعری فکر کا مرکزی میلان ہوگئی تھی مگر یہ اس عہد کے بیدار شعور وادراک کی اہم ضرورت تھی۔

نئی شاعری کو نئے الفاظ، نئی علامات کی تلاش تھی۔جس کے ذریعے وہ اپنے تغیر پذیر معاشرے کے وہ تجربات و مشاہدات پیش کرسکے، جس سے برصغیر کی فضا کبھی آشنا نہ تھی۔جس نے ہر سطح پر زندگی کے تمام معمولات ہر طبقے ہر سماج کو شدید اضطراری کیفیت میں مبتلا کردیا تھا۔۱۹۳۴ء سے ۱۹۴۷ء تک کی نسل اور اس کے بعد کے شعرا کے معاملات اور دائرہ

افکارمختلف تھے۔اول الذکر برصغیر کی آزادی کی جدوجہد اور نئے علوم کی حیرتوں اوروسعتوں میں گھرے زندگی کے تجربات ومشاہدات کوگرفت میں لانے کی کوشش کررہے تھے۔ان میں فیض، جوش، فراق، مجاز، راشد، میراجی جذبی، آل احمد سرور، سردار جعفری، ظہیر کاشمیری، خلیل الرحمٰن اعظمی، احمد ندیم قاسمی شامل تھے اور تقسیم کے ہنگاموں کے بعد اختر الایمان، جاں نثار اختر ساحر، محی الدین، مجروح سلطان پوری، سلیم احمد اور ناصر کاظمی تھے جو مختلف طبقہ ہائے نظریات سے تعلق رکھتے تھے مگر ہنگاموں اور تباہ کن خون ریزی نے برصغیر کے دامن پر جو داستاں آگ اور لہو سے لکھی تھی۔اس کے خون آلودہ اور جلے ہوئے اوراق سمیٹ رہے تھے۔سونئی نئی علامتوں اور نئے الفاظ وتراکیب اور نیا محاورہ ضروری تھا جو ان نئے پیدا ہونے والے جذبات وکیفیات کی ترجمانی کرسکے۔سید جابر علی جابر فنون کے جدید غزل نمبر میں لکھتے ہیں:

> آئی اے رچرڈز کی کتاب ''سائنس اور شاعری کے ردِعمل کے طور پر ٹی۔ایس ایلیٹ نے جو لیکچرز جدید ذہن'' کے عنوان سے دیا تھا اس میں انسانِ جدید کے پانچ اہم مسائل کا جائزہ لیا گیا ہے۔
>
> (۱)احساس تنہائی (۲) پیدائش اور موت کا مسئلہ (۳) کائنات کی لامحدود وسعت (۴) وقت کے تناظر میں انسان کا مقام (۵) انسان کی کم ادراکی۔
>
> تنہائی ان مسائل میں سرفہرست ہے۔لیکن انیسویں صدی کی رومانی شاعری میں بھی احساس تنہائی اسی قدر اہم موضوع تھا۔جس قدر بیسویں صدی میں ہے۔شیلے اور بائرن اور کیٹس کی شاعری میں یہ احساس مختلف جذبات کے ساتھ نظر آتا ہے۔(۲۹)

برصغیر اور ساری دنیا میں احساس تنہائی، رومانویت کی جدید لہر رومانوی عہد کی شاعری سے مختلف اس بنا پر ہے کہ یہ احساس تنہائی دوعظیم جنگوں کے بعد پیدا ہونے والے شدید خوف اور ڈر کی وجہ سے ہے جس نے معاشرتی انسان میں عالمگیر سطح پر عدم تحفظ کا خوف پیدا کردیا۔اس دنیا میں ہر انسان تنہائی اور بیگانگی کی دھند میں کھونے لگا۔اس عہد میں ظہیر کاشمیری ،میراجی، منیر نیازی، مصطفٰے زیدی، تصدق حسین خالد، فیض، جوش وغیرہ کو بھی شدید احساس تنہائی تھا اور ہر ایک نے اس کا مداوا مختلف حوالے سے کیا۔اس تنہائی نے عالمگیر سطح پر اضطراری کیفیت کو گہرا کردیا۔انفرادی اور اجتماعی آزادی کے بڑھتے پھیلتے رجحانات اور احساسات نے تنہائی کی کیفیت کو اور دبیز کیا۔اس تنہائی نے اظہار و بیان کے داخلی اور خارجی سطحوں کی دریافت میں نئے اسالیب بیان تلاش کیے۔علامت، استعارے کی ارتقائی صورت ہے اور جدید شاعری کی اہم ضرورت بھی، جس کے ذریعے جدید طرز احساس کی عکاسی میں بہت زیادہ سہولت بھی حاصل ہوئی اور اردو شاعری میں تنوع بھی آیا۔

۱۹۴۷ء کے بعد جن شعراء نے اردو شاعری کو متنوع مضامین کی بہاریں عطا کیں،ان میں اختر الایمان، سلیم احمد، سردار جعفری، فیض احمد فیض، ن۔م راشد، میراجی، جاں نثار اختر، خلیل الرحمٰن اعظمی، احمد ندیم قاسمی، ساحر لدھیانوی، ناصر کاظمی، ابن انشا، باقی صدیقی کے نام شامل ہیں۔قاسمی صاحب کے لہجے میں تازگی اور علامات تازہ کا ایک سلسلہ نظر آتا ہے وہ نظم اور

غزل دونوں میں اپنی فنی اہمیت منواتے ہیں۔ مدنی صاحب قاسم صاحب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

احمد ندیم قاسمی کی شاعری کا کمال یہ ہے کہ اس کی فضا سموم نہیں ملتی۔ ٹاؤن ہال سے پوری صنعتی اور حرفتی کی ہما ہمی الفاظ کا ایک ضمیر رکھتی ہے یہ خصوصیت ان کی شاعری میں ''رم جھم اور دھڑکنوں سے ان کے تازہ ترین مجموعہ کلام میں ملے گی۔ ان کے موضوعات کچھا تنے دوسرے نہیں ہیں مگر ان کی نظر اور ہے یہ سارا ماحول ایک طلسم رکھتا ہے۔ جلال و جمال میں کئی نظمیں احساس وادراک' فطرت کے بکھرے ہوئے اشاروں اور انسانی زندگی کی کاوشوں' اس کے خواب اور شکستِ خواب کے درمیان ان کے استعجاب کی نہایت حسین علامتیں بنتی ہیں۔ ترقی پسند شعراء کے کلام میں اپنی روایت وتہذیب کا جو پاس ہے وہ اسے برصغیر کے تاریخی محرکات سے الگ نہیں کرتا اور ایک اسی طرح کا تسلسل احمد ندیم قاسمی کی شاعری میں بھی ہے۔(۳۰)

قاسمی صاحب کی عمدہ نظموں میں ''انسان عظیم ہے خدایا' جوہری جنگ کے بعد ایک منظر، پتھر' سیاح کی ڈائری کا ایک ورق اور شعلۂ گل' دشتِ وفا اور محیط جیسے شاندار شاعری کے مجموعوں کی نظمیں اور غزلیں جو عصر جدید کی پوری سماجی اور حسی آگہی اور جدید علوم کی پوری کلیت کو اپنے سماجی اور عصری تناظر میں پیش کرتی ہیں۔

اختر الایمان اور میراجی دونوں اچھے شاعر ہیں مگر دبیز علامتوں کی تہوں میں ان کا شاعرانہ پن کہیں دب جاتا ہے۔ دونوں شاعروں کے شاعر ہیں اور ان کے ہاں بے کنار وسعتوں کو چھوتی ہوئی شاعری ہے مگر عمومی سطح پر اس کا ابلاغ نہیں ہوتا۔ شاعروں میں بھی میراجی کی نظم ''سمندر کا بلاوا'' زیادہ مشہور ہے اس نظم کے حوالے سے مدنی صاحب نے میراجی سے ملاقات کا احوال بھی رقم کیا ہے جو دلچسپی اور اپنے تاریخی حوالے کی بنا پر یہاں درج کیا جا رہا ہے:

بمبئی (ممبئی) کی ایک سہ پہر میں وائی ایم سی اے کے لاونج میں وشوا ستر اور حبیب تنویر (یہ دونوں صاحبان وائی ایم سی اے میں رہتے تھے) ان کا انتظار کر رہے تھے۔ میں بھی وہیں تھا مقررہ وقت پر سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے پہلے ان کا چہرہ' زلفیں' مالائیں گردن تک نظر آئیں اور یہ معلوم ہوا کہ کوئی ایک طشت میں کٹا ہوا سر لے کر آ رہا ہے جب یہ بات ان سے کہی گئی تو انہوں نے چند لمحوں کا توقف کیا ان کے ایک ہاتھ میں پانوں کی پڑیا تھی دو چھوٹے چھوٹے گولے اور ایک تار میں پروئے ہوئے سوراخ دار پیسے تھے جنہیں وہ پانوں کے لیے جمع کرتے تھے اور دوسرے ہاتھ میں دو ایک کتابیں ایک ڈائری میں کاغذ کا ایک پلندہ تھا۔ انہوں نے کاغذ کا یہ پلندہ نکالا جو ''مارکیوس ڈی سیڈ'' کی کتاب کی نقل تھی۔ بمبئی کی پبلک لائبریری میں صرف ایک کاپی محفوظ تھی۔ انہوں نے چند راتوں میں نقل کر لی ''سمندر کا بلاوا'' انہوں نے اس وقت سنائی تھی (چالیس اکتالیس سال پہلے کی بات ہے) (واضح رہے کہ یہ لیکچر ۱۹۸۸ء میں دیا گیا تھا) سمندر کا بلاوا سے اس وقت بھی اور آج بھی پال ویلری کی نظم (LE CIMETIERE MARIN) قبرستان اور سمندر

یاد آتی ہے۔فرانس میں ان کا شہر (SETE) سمندر کے کنارے ہے جس سے لگا ہوا قبرستان بھی ہے۔حال ویلری کے یہاں سمندر حرکت اور لاشعوری تخلیقی قوت کی علامت ہے (یہ نظم تیس استزا کی نظم ہے)۔(۳۱)

اس نظم میں علامتوں کے اشارے جنسیت کی جانب ہیں۔مغرب کے زوال پرست شعراء کی طرح میرا جی کے ہاں بھی شخصی تلاش اپنے حوالے سے تھی اور اس شخصی تلاش میں بقول مدنی صاحب کے اسا کیت (IMSOCHISM) ایک ایذا پرستی کا رخ بھی تھا مغرب اور میرا جی کے یہاں یہ پہلو (مارکیوس ڈی سیڈ) کے اثرات سے آیا تھا۔اور میرا جی نے اس فکر کے تخلیقی اظہار کے لیے نظم معرا اور نظم آزاد میں تجربات کئے۔میرا جی نے فکری نشستوں کے فروغ کے لیے حلقہ ارباب ذوق کی بنیاد رکھی مگر ان کی مسا کی فکر کا اثر ان کے کسی ساتھی پر نہیں ہوا، میرا جی کی شاعری میں شعوری اور لاشعوری طور پر مرد و زن کی جنسی علامات آتی ہیں اور وہ قدیم ہندی دیو مالا سے بھی علامات تراشتے ہیں۔مگر میرا جی کا اسلوب انہیں سے شروع ہو کر انہیں پر ختم ہو گیا، لمحاتی سرشاری کی کیفیت کو ابدیت میں ڈھالتے ہوئے ان کے شعری تجربات سے البتہ فکر و نظر کے نئے رستے ہیت اور موضوع کے حوالوں سے کھلے۔

مدنی صاحب نے اپنے معاصرین کی بہ نسبت جدید اردو شاعری میں نئی فکر، روز مرہ کی زندگی، معاشرتی احوال اور اپنی تہذیب و تاریخ کو تخلیقی سطح پر منعکس کیا ہے۔اس میں نئے اسالیب، موضوع، ہیت اور مختلف اصناف سخن میں خوشگوار فضا پیدا کر دی، اس عہد کی شاعری کے ذریعے سے نئی علامات اور استعارات روز مرہ کی بول چال میں آنے لگے اور شاعری میں نئے محاورے نئی لفظیات نئی فکر اور فنی حسیت کا شعور آنے لگا۔یہ شعور اپنی تاریخ و تہذیب سے جڑا ہوا تھا اور یہ کسی ایک مکتبۂ فکر یا گروہ تک محدود نہیں تھا معاشرتی اتار چڑھاؤ اور سماجی و سیاسی تغیرات نے ہر ایک کو متاثر کر رکھا تھا۔اس نئے دور میں پاکستان اور ہندوستان کے اہم شعرا نے اپنے عصری اسلوب اور فن میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار کیا ان میں اختر الایمان، سلام شہری، ساحر لدھیانوی، مصطفٰی زیدی حقیقت پسندی اور ترقی پسندی کے ترجمان بنے۔ضیاء جالندھری، صفدر میر علامتی اور امیجسٹ مکتبۂ فکر کے نمائندے تھے۔اس دور کے دیگر اہم شعراء میں حبیب جالب اور قتیل شفائی، محشر بدایونی، سلیم احمد، احمد ہمدانی، فارغ بخاری، رئیس فروغ، ظہور نظر، وزیر آغا، ابن انشا، خاطر غزنوی، جعفر طاہر، سجاد باقر رضوی، صہبا اختر، ناصر کاظمی، جیلانی کامران، منیر نیازی اور دیگر کے شاعرانہ اثرات دیگر شعراء پر بھی مرتب ہوئے اور جنہوں نے اردو شاعری میں گرانقدر اضافے کئے۔اسی طرح ہندوستان میں شاذ تمکنت، شہریار، کیفی اعظمی، منیب الرحمٰن، وشواستر عادل، خلیل الرحمٰن اعظمی، باقر مہدی، بلراج کومل، نریش کمار شاد، عمیق حنفی، محمد علوی اور تخت سنگھ جیسے شعراء شامل ہیں۔

مندرجہ بالا تمام شعراء مختلف الخیال مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے تھے۔اس عہد میں تیز رفتاری سے رونما ہونے والے تغیرات، تقسیم اور اس کے بعد کے مسائل، سماجی ابتری، اقدار کا زوال، نئے وطن کے مسائل، نئی تہذیب کی ترتیب و تنظیم اور ثقافت کی گم شدگی اور بازیافت کی جستجو نے ان سب پر یکساں اثرات مرتب کئے۔

ساحر کا کلام عصر جدید کی آ گہی اور روایت کا اپنا رنگ لیے ہوئے ہے ان کی آواز اس دور کے احتجاجی ادب کا ایک لازمی حصہ ہے۔ساحر کی تغزل شناس طبیعت ان کی غزلوں سے زیادہ نظموں میں کارفرما نظر آتی ہے اسی دور میں سلام مچھلی شہری نے بدلتے ہوئے ماحول اور خارجی اشیاء کے ادراک سے اپنی دنیا الگ بسائی۔ان کی شاعری اپنے دور کے رجحانا ت میں ایک انحرافی پہلو بھی رکھتی ہے۔اردو شاعروں کی نئی نسل میں ناصر کاظمی اور حفیظ ہوشیار پوری دو الگ لب و لہجے کے شاعر ہیں۔حفیظ کی غزلیں سادگی اور پرکاری کی حسین مثال ہیں۔

ناصر کاظمی کی شاعری اداس اور سوز میں گندھی ہوئی ہے۔ان کے یہاں جدید حسیت کی رَو نے ان کی شاعری کو آبدار بنا دیا ہے۔ان کا اسلوب اور موضوعات میر اور فراق گورکھپوری سے متاثر ہیں وہ اردو کے ان شاعروں میں سے ہیں جو ۱۹۴۷ء کے فسادات سے خاص طور پر متاثر ہوئے۔اداسی اور تنہائی کی کیفیت اور فسادات کے تاثرات ان کی شاعری کو منفرد بناتے ہیں۔

ناصر نے اردو لفظیات کو نئے معنی عطا کئے اور غزل کے امکانات میں نئے نئے رخ تلاش کئے۔ناصر کے ہم عصر شعرا ء میں سلیم احمد، خلیل الرحمٰن اعظمی اور مصطفیٰ زیدی شامل ہیں۔جالب اور ناصر کی شاعری میں ماضی کی یادوں اور دکھوں کے حوالے سے مشترکہ فضا پائی جاتی ہے۔باقی صدیقی کی شاعری میں طنزیہ اور تیکھا رویہ ہے اور ان کے اسلوب میں جدت اور ندرت ہے اردو اور ہندکو دونوں میں شعر کہتے تھے (وہ ریڈیو پشاور میں عزیز حامد مدنی۔ن م راشد اور احمد فراز کے ساتھ رہے) ان کی غزلوں میں پرکاری، تہہ داری اور سادگی ہوتی ہے۔سلیم احمد کی غزل، عزیز حامد مدنی کے بقول ہماری روایت کے قالب میں ڈھلی ہوئی ہے۔بہ ظاہر معصوم مگر اندر سے بھی زندگی کے زاویہ پر سوال کرتی ہوئی کبھی بگڑ کر کبھی خفا ہو کر کبھی نہایت دوستداری میں زندگی کی پیکار میں شمولیت کی غزل ہے۔ان کی شاعری کی طرح ان کی شخصیت بھی پیچیدہ اور تہہ دار تھی ان میں ہمہ وقت ایک پیکار کا عمل جاری و ساری رہتا تھا۔ان کی غزلوں، نظموں اور طویل نظم ''مشرق'' میں یہ عمل بہت نمایاں نظر آتا ہے۔وہ کاغذ کے سپاہی کاٹ کر لشکر بناتے رہے۔ان کے نزدیک صبر کرنا مرجانے کی علامت تھی۔ان کی شاعری کی طرح ان کی نثر (تنقید) بھی مقبول ہے۔ان کی شاعری میں بقول ڈاکٹر جمیل جالبی جدید حسیت بھی ہے اور روایت بھی، طنز و ہجو کا لہجہ بھی ہے اور جدید سائنسی دور کا شعور بھی۔

ہندوستان اور پاکستان میں مدنی صاحب کے ہم عصر شعراء نے نئے شعور کے ذریعے زندگی کی مختلف تہوں اور پرتوں کو دیکھا اور سمجھا۔انہوں نے زندگی کے عام معاملات اور کربناک واقعات اور ذاتی وارداتوں اور حادثوں کے حوالے سے جدید حسیت اور عصری ادراک کے حوالے سے شاعری تخلیق کی۔ان کی تخلیقات میں تشبیہات و استعارات، تلازمات و علامات، پیکر تراشی اور نقاشی کے ساتھ اسلوب کی انفرادیت نے کمالِ فن کے جوہر دکھائے۔یہ اسلوب و فن روح کی گہرائی سے پیدا ہوا تھا اور اس کی لے میں ساری زندگی سمٹی ہوئی تھی۔شاعری اور ادب جب عوامی ہوا تو اس نے اپنے اظہار کے

لیے نیا اسلوب، نیا استعارہ، نئی علامت اور نیا محاورہ تلاش کیا۔اس جدت میں بغاوت اور سرکشی کی تیزی وتندی تھی مگر اس میں فکروادراک تجزیےاور تنقید کی رَو بھی تھی۔جس نے میر' غالب' اقبال' کبیر' تلسی داس ،مجاز ،راشد ،فیض اور سردار جعفری کے فکروفن کے نئے حوالے تلاش کئے۔

ترقی پسند تحریک کے اوّلین دور میں زیادہ ترنظم گوشعراء تھے۔اس دور میں ''ایسٹ انڈیا کمپنی''(جوش)،''جنگ اور انقلاب''،''نئی دنیا کوسلام''(علی سردار جعفری)،''بول''(فیض احمد فیض)،''اندھیرا''(مخدوم)،''شفق سرخ''(احمد ندیم قاسمی)،''لمحہ غنیمت''(ساحر) اور''سرخ فوج''(جاں نثار اختر) جیسی احتجاجی نظمیں تخلیق ہوئیں۔اس دور کے شعراء و ادباء پہلی اور خصوصاً دوسری جنگ عظیم کے نتائج کا خمیازہ بھگت کر باشعور ہوئے تھے۔انہوں نے جلیانوالہ باغ کی سفاکیت تحریک خلافت کی ناکامی،تحریک عدم تعاون،سول نافرمانی کی تحریک،انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کا فساد،۱۹۴۲ء میں جہازیوں کی بغاوت، بنگال کا قحط اور پھر تقسیم ہندوستان کے موقع پر ہونے والے فسادات کو نہ صرف دیکھا تھا بلکہ زیادہ تر اس ہولناک منظر سے خود بھی گزرے تھے۔اسی لئے اس دور کے شعراء اور ادباء نے جب تقسیم کے بعد بھی دو مملکتوں میں خراب صورتحال اور انسانی حقوق کی پامالی، سیاسی جماعتوں کے ستم،عسکری اداروں کا شب خون اور عوام کو مصائب و مسائل کے منجدھار میں ڈوبتے ہوئے دیکھا اور حکمرانوں اور پاسبانوں کی ظالمانہ اور آمرانہ عیاریاں دیکھیں تو فیض بھلا کیسے چپ رہتے انہوں نے کہا:

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر
چلے تھے جس کے ہم یہ وہ سحر تو نہیں

ایسی فضا میں برصغیر کے منظرنامے پر مندرجہ بالا شعراء نے علمی اور سماجی شعور بیدار کرنے کے لیے کاوشیں کیں۔

مدنی صاحب کے ہم عصروں میں ایک نام جاں نثار اختر کا ہے۔انہوں نے رومان اور حقیقت کے امتزاج سے اپنی شاعری کی ایک خوابناک فضا بنائی ہے۔ان کی شاعری ترقی پسند فکر کی غماز ہے۔ان پر جوشؔ کے اثرات بہت نمایاں ہیں۔ انہوں نے حالات اور ضرورت کے تحت متنوع موضوعات پر نظمیں کہی ہیں مگر ہر تخلیق میں فنی شعور اور سماجی ادراک پوری طرح نمایاں نظر آتا ہے۔ان کی غزل نظم ہی کی طرح شاندار ہے۔علی سردار جعفری اول و آخر ایک اشترا کی شاعر ہیں اور اس پر انہیں فخر بھی ہے۔ان کی شاعری میں زندگی کا ارتقائی شعور اور انقلابی آہنگ ہے۔انہوں نے نظم وغزل ہر صنف میں فکرسخن کی ہے اوران کی شاعری میں ان کی انقلابی فکر نے تیز رو دریا کی کیفیت بھر دی ہے۔

مدنی اوران کے معاصرین کا عہد ترقی پسند تحریک کے آغاز کا عہد ہے۔ترقی پسند تحریک کے قیام کے ساتھ ہی جمود زدہ معاشرہ تیزی سے متحرک ہونے لگا۔اذہان پر جمی اداسی اور مایوسی کی دھول ہٹی تو شعور وفکر پوری قوت کے ساتھ کچھ کر

گزرنے کے جذبے کے ساتھ متحرک ہوگئے۔اس دور میں مارکسزم،فرائیڈازم، وجودیت پسند، رومانوی اور اشاریت پسندی، بہت سے افکارونظریات بیک وقت برصغیر کی روح میں متحرک تھے۔تخلیقی اور تنقیدی سطح پران کے اثرات میراجی، راشد،مجاز،فیض،علی سردار جعفری،خلیل الرحمٰن اعظمی اور دیگر کی تخلیقات کی صورت میں نمایاں ہونے لگے تھے۔موضوعات کے تنوّع،نظری اورفکری تحریکوں نے اردوشاعری کی کایا پلٹ دی۔نظیراکبرآبادی کی بازیافت کاعمل شروع ہوا۔اقبال، جوش،اختر شیرانی، ٹیگور کے اثرات ہر خاص وعام پر پڑنے لگے۔خارجیت اور داخلیت کے مباحث کے درواہوئے۔نئی جمالیاتی، اشاراتی اورنفسیاتی تحریکیں سماجی حلقوں سے لے کرادبی حلقوں تک میں سرگرم ہوگئیں۔ہرشاعراپنے شعور و ادراک کے مطابق کچھ نیا کرنے اوراپنی ذمہ داری ادا کرنے میں منہمک تھا۔شاعروں کے اس ہجوم میں نئی نئی دلکش اورمنفرد آوازیں تھیں،فنی اورتخلیقی تجربے تھے۔ہرایک بساط بھروقت کی رفتار کو جانچنے اور بدلنے میں مصروف کار تھا۔ان شعراء کے ساتھ ہی عزیز حامد مدنی بھی تھے جنہیں کبھی ترقی پسند قبول کرتے تھے اور کبھی نظرانداز۔

تاہم مدنی کے لیے ترقی پسند ہونا یا نہ ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ان کے نزدیک ادب کواوّلیت کا مقام حاصل تھا۔ انہوں نے ادب کی عالمی تحریکوں اور عالمی ادب کا مطالعہ کیا۔اسالیب اور ہیت کے تجربات کو سمجھا اوراپنے وقیع مقالے جدید اردو شاعری میں سمجھانے کی بھرپورسعی کی۔اپنی شاعرانہ روایات کا شعور حاصل کیا۔رومی وحافظ سے لے کر اقبال تک جوش سے لے کر اختر الایمان تک ہر شاعر کے تجربے پران کی گہری نظر تھی اورانہوں نے اپنی شاعرانہ کاوشوں سے اردوشاعری کی فضا میں گرانقدر اورایسا بیش بہا اضافہ کیا جس کی نظیر اردوشاعری میں نہیں ملتی۔

ان کے یہاں تشبیہات واستعارات،علامت واشارت اورایسی جدید امیجری اورموضوعات ملتے ہیں جوان کے ہم عصروں میں ان کی انفرادیت کوثبات بخشتے ہیں۔انہوں نے خوداپنی شاعری کو''بڑے شہر کی شاعری'' قراردیا اوراسی سے متعلق موضوعات نے ان کی نظم اورغزل کوجدت اورندرت سے ہم کنار کیا۔ان کی شاعرانہ فنکاری نے ٹھوس اورخشک اشیاء کو بڑی خوبی کے ساتھ شاعرانہ مزاج کا حصہ بنایا۔جس کااعتراف حمید نسیم اورخلیل الرحمٰن اعظمی جیسے نقاد بھی کرتے ہیں۔ ان کی شاعری جدید اساطیر کی فضا بناتی ہے اورنئی شعری زبان اورعصری حسیت کا شعور بیدار کرتی ہے۔سلیم احمد کا ان کی شاعری پر ذیل کا تبصرہ درست ہے اوراس مقالے کا حاصل ہے:''عزیز حامد مدنی کی شاعری وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں ن۔م راشد کی شاعری کا سفر ختم ہوتا ہے''۔

حوالہ جات

۱۔ قمررئیس پروفیسر۔سید عاشور کاظمی۔ترقی پسند ادب۔ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس۔دہلی۔۲۰۰۷ء۔ص۔۴۲۱۔۴۲۲

۲۔ حمید نسیم۔پانچ جدید شاعر۔فضلی سنز۔کراچی۔۱۹۹۴ء۔ص۔۳۲۰

۳۔ حمید نسیم۔ پانچ جدید شاعر۔ فضلی سنز۔ کراچی ۔۱۹۹۴ء۔ص۔۲۹۰

۴۔ سلیم احمد۔ چشم نگراں سے نخلِ گماں تک۔ مشمولہ، مضامین سلیم احمد، اکادمی بازیافت۔ کراچی۔۲۰۰۹ء۔ص۔۵۷۰

۵۔ حمید نسیم۔ پانچ جدید شاعر۔ فضلی سنز۔ کراچی۔۱۹۹۴ء۔ص۔۲۶۱

۶۔ سلیم احمد۔ مضامین سلیم احمد۔ مرتب۔ جمال پانی پتی۔ اکادمی بازیافت۔ کراچی۔۲۰۰۹ء۔ص۔۵۶۸

۷۔ عزیز حامد مدنی۔ دشت امکاں۔ اردو اکیڈمی سندھ۔ کراچی۔ جون۱۹۶۴ء۔ص۔۵۔۶

۸۔ شمیم احمد۔ مضمون۔ مشمولہ۔ سہ ماہی ادبیات۔ اسلام آباد۔ جلد۴ شمارہ ۱۶۔ ۱۹۹۱ء۔ص۔۲۵۲

۹۔ جمیل جالبی ڈاکٹر۔ نیا دور۔ پاکستان کلچرل سوسائٹی۔ کراچی۔ شمارہ ۲۹۔۳۰۔ سن ندارد۔ص۔۲۶۰

۱۰۔ مجنوں گورکھپوری۔ شعر اور غزل۔ ایشیا پبلشرز۔ کراچی۔ سن ندارد۔ص۔۱۹۳۔۱۹۴۔۱۹۵

۱۱۔ حمید نسیم۔ پانچ جدید شاعر۔ فضلی سنز۔ کراچی۔۱۹۹۴ء۔ص۔۳۱۴

۱۲۔ عزیز حامد مدنی۔ جدید اردو شاعری۔ (حصہ دوم)۔ انجمن ترقی اردو پاکستان۔ کراچی۔۱۹۹۴ء۔ص۔۵۰۔۵۱

۱۳۔ عزیز حامد مدنی۔ چشم نگراں۔ بیان پبلیکیشن۔ کراچی۔۱۹۶۲ء۔ص۔۲۰۔۲۱

۱۴۔ ابن فرید۔ علامت کا تصور۔ مشمولہ علامت نگاری۔ بیت الحکمت۔ لاہور۔۲۰۰۵ء۔ص۔۸۰

۱۵۔ خواجہ رضی حیدر۔ مجید امجد ایک منفرد آواز۔ سورتی اکادمی۔ کراچی۔۲۰۱۳ء۔ص۔۳۰۰۔۳۰۱

۱۶۔ خواجہ رضی حیدر۔ مجید امجد ایک منفرد آواز۔ سورتی اکادمی۔ کراچی۔۲۰۱۳ء۔ص۔۳۰۱

۱۷۔ تلمیذ فاطمہ برنی۔ مشمولہ۔ مجید امجد ایک منفرد آواز۔ سورتی اکادمی۔ کراچی۔۲۰۱۳ء۔ص۔۲۲۹۔۲۶۲

۱۸۔ ن۔م راشد۔ مقالات راشد۔ الحمرا پبلشنگ اسلام آباد۔۲۰۰۲ء۔ص۔۳۸۰

۱۹۔ اشفاق احمد ڈاکٹر۔ غزل کا نیا علامتی نظام۔ مشمولہ۔ علامت نگاری۔ بیت الحکمت۔ لاہور۔۲۰۰۵ء۔ص۔۲۰۳

۲۰۔ عزیز حامد مدنی۔ آج بازار میں پابجولاں چلو۔ اردو اکیڈمی سندھ۔ کراچی۔۱۹۸۸ء۔ص۔۵۹۔۶۰

۲۱۔ عزیز حامد مدنی۔ جدید اردو شاعری حصہ دوئم۔ انجمن ترقی اردو پاکستان۔ کراچی۔۱۹۹۴ء۔ص۔۶۳

۲۲۔ عزیز حامد مدنی۔ جدید اردو شاعری (حصہ دوم)، انجمن ترقی اردو پاکستان۔ کراچی۔۱۹۹۴ء۔ص۔۶۳

۲۳۔ اسلم فرخی ڈاکٹر۔ گلدستہ احباب۔ مکتبہ دانیال۔ کراچی۔۱۹۹۴ء۔ص۔۱۷۳

۲۴۔ عزیز حامد مدنی۔ نخلِ گماں۔ مکتبہ دانیال۔ کراچی۔۱۹۸۳ء۔ص۔۸۴

۲۵۔ میر جعفر علی خان اثر لکھنوی۔ مشمولہ۔ نئی دنیا کو سلام۔ فروغ اردو زبان۔ نئی دہلی۔ ۲۰۰۴ء۔ ص۔ ۱۴۸

۲۶۔ علی سردار جعفری۔ نئی دنیا کو سلام۔ فروغ اردو زبان۔ نئی دہلی۔ ۲۰۰۴ء۔ ص۔ ۱۴۵

۲۷۔ آل احمد سرور پروفیسر۔ مجموعہ تنقیدات۔ الوقار پبلی کیشنز۔ لاہور۔ ۱۹۹۶ء۔ ص۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲

۲۸۔ سجاد حارث۔ ادب اور ریڈیکل جدیدیت۔ نگارشات۔ لاہور۔ ۱۹۸۸ء۔ ص۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱

۲۹۔ ظہیر کاشمیری۔ عشق و انقلاب۔ الحمد پبلی کیشنز۔ لاہور۔ ۱۹۹۴ء۔ ص۔ ۲۰

۳۰۔ جابر علی جابر۔ جدید نظم جدید غزل اور جدید طرزِ احساس۔ مشمولہ فنون۔ شمارہ ۱۳۔ ۱۴۔ جنوری ۱۹۶۹ء۔ انار کلی۔ لاہور۔ ص۔ ۲۱۳

۳۱۔ عزیز حامد مدنی۔ جدید اردو شاعری۔ (حصہ دوم)۔ انجمن۔ کراچی۔ ۱۹۹۴ء۔ ص۔ ۸۰۔ ۸۲

۳۲۔ عزیز حامد مدنی۔ جدید اردو شاعری (حصہ دوم)۔ انجمن۔ کراچی۔ ۱۹۹۴ء۔ ص۔ ۶۰۔ ۶۱